Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Role of Tafsiri Literature in The Development of Islamic Jurisprudence

فقہی ارتقامیں تفسیری ادب کا کردار

Dr. Muhammad Riaz Mahmood
Associate Professor, Department of Islamic Thought, History and Culture,
Allama Iqbal Open University, Islamabad
riaz.mahmood@aiou.edu.pk

ABSTRACT

This research article explores the indispensable role of Tafsiri literature in the evolutionary journey of Islamic jurisprudence. The study argues that the Qur'anic interpretation Tafsir has not merely been a theological or linguistic exercise but a dynamic source for juristic reasoning and legal transformation across different centuries. By analyzing classical and modern Tafsiri works, the research demonstrates how exegetes have extracted legal rulings from divine text while adapting to changing social realities without compromising foundational principles. The interaction between Tafsir and Fiqh has enabled jurists to understand the spirit of Shariah beyond literal applications, fostering flexibility and relevance. This paper highlights that every major juristic evolution corresponds with a deeper reinterpretation of Qur'anic verses through contextual Tafsir methodologies. The study further reveals that Tafsiri literature acted as a bridge between revelation and human experience, allowing legal verdicts to address emerging challenges like finance, medicine, and governance. Through historical and analytical methods, the research establishes that exegetical works transformed abstract divine commands into practical legal frameworks. This synergy prevented jurisprudential stagnation and encouraged rational ijtihad. Consequently, the paper concludes that any future development in Islamic law must remain deeply connected to Tafsir literature to preserve authenticity and adaptability. The findings underscore that without exegetical insight, juristic evolution risks either rigidity or deviation, making Tafsir an eternal partner to Fiqh.

Keywords: Fiqh, Islamic Jurisprudence, Islamic Law, Qur'anic Verses, Tafsiri Literature.

1۔ موضوع تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پس منظر

فقہی ارتقا کا سفر انسان کی تہذیبی تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جس نے دین و دنیا کے تقاضوں کو ایک حسین توازن عطا کیا ہے۔ قرآن مجید کی تشریح و تعبیر نے اس ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ تفسیری ادب محض زبان و بیان کی کتب پر مشتمل نہیں بلکہ یہ وہ عالی شان اور قیمتی سرچشمہ ہے جس کے ذریعے فقہا نے اپنے اپنے دور کے مسائل کے حل کے لیے روح الہام کو سمجھنے کی کوشش کی۔ یہ موضوع اس لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ آج جب مسلم معاشروں کو نئے اور پیچیدہ مسائل کا سامنا ہے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ ماضی میں فقہ نے تفسیر کے ذریعے کس طرح اپنے آپ کو متحرک رکھا۔ پس منظر میں یہ حقیقت کار فرما ہے کہ نزول وحی کے ابتدائی دور میں صحابہ کرامؓ خود قرآن مجید کے حکم کو براہ راست سن کر

اس پر عمل پیرا ہوتے تھے، لیکن جب نئے معاملات جنم لینے لگے تو انہوں نے آیات کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے راہ نمائی حاصل کی اور اس کی روشنی میں اپنی فہم و بصیرت اور اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں غیر معمولی تحرک کا مظاہرہ کیا۔ یہی وہ نقطہ آغاز تھا جہاں تفسیری ادب نے فقہی ارتقا میں اہم کردار ادا کیا۔

تفسیری ادب نے فقہی مذاہب کے ظہور اور ان کے ارتقا میں مرکزی حیثیت حاصل کی۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے اپنے فقہی نظام کو قرآن فہمی کے ایک مخصوص اسلوب پر استوار کیا۔ ان کے نزدیک تفسیر کا طریقہ کار یہ متعین کرتا تھا کہ کوئی آیت عام ہے یا خاص، مطلق ہے یا مقید، ناسخ ہے یا منسوخ۔ یہ[1] تمام فقہی بنیادیں دراصل تفسیری اصولوں سے ہی وجود میں آئیں۔ پس منظر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جب مسلم سلطنتوں نے وسعت اختیار کی اور مختلف ثقافتوں کے لوگ مسلمان ہونے لگے تو فقہ کو نہ صرف نئے جغرافیائی حالات سے نمٹنا تھا بلکہ مختلف علاقوں کے عرف و رواج کو بھی اسلامی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا تھا۔ یہ کام بھی تفسیر کے ذریعے ممکن ہوا کیونکہ مفسرین نے قرآن مجید کے کلی مقاصد کو سمجھ کر ایسے اصول فراہم کیے جو فقہا کو اجتہاد کی راہ دکھاتے رہے۔

تفسیری ادب نے فقہ کو صرف قوانین کی کتاب نہیں بننے دیا بلکہ اس میں اخلاق، روحانیت اور عدل کے جہات کو بھی شامل رکھا۔ جہاں فقہ کی کتابیں اعمال کے ظاہری احکام بیان کرتی ہیں وہاں تفسیر ان احکام کے پس پردہ حکمتیں اور روحانی اسرار سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ اس لیے جو فقیہ تفسیر سے غافل ہو گا وہ فقہ کو ایک بے روح قانونی نظام بنا دے گا۔ اس تحقیق کے پس منظر میں یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا تفسیر کے بغیر فقہی ارتقا ممکن تھا؟ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ قرآن مجید توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کے ساتھ ساتھ احکام کا سرچشمہ ہے اور اس سرچشمے کو سمجھنے کے لیے تفسیر ایک لازمی ذریعہ ہے۔ اس طرح یہ موضوع نہ صرف علمی اعتبار سے اہم ہے بلکہ عملی زندگی میں شریعت کی مطابقت اور تازگی کو برقرار رکھنے کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ ان علمی مباحث کے تجزیہ کے لیے ہی یہ مضمون تشکیل دیا گیا ہے۔

2۔ تفسیری ادب اور فقہی استنباط کے ابتدائی مراحل

قرآن مجید کی تشریح و تعبیر کا ایک بنیادی ماخذ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے وہی اصول اپنائے جو انہوں نے آپؐ سے سیکھے تھے۔ اس دور میں فقہی مسائل کی تعداد محدود تھی اور صحابہ کرامؓ اکثر خود آیات کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے، مگر جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو وہ قرآن مجید کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے ملاتے اور پھر نبی کریم ﷺ کے فرامین سے استناد کرتے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں تفسیر اور فقہ نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر سفر شروع کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا وہ مشہور واقعہ جب انہوں نے سورہ مائدہ کی آیت کے تحت چوری کی حد پر غور کرتے ہوئے تفسیری فہم سے کام لیا،[2] اور قحط سالی میں حد معطل کی، یہ بتاتا ہے کہ تفسیر کے بغیر فقہی فیصلے صرف متن تک محدود رہتے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم ربانی یا تفسیر قرآن کو بدلا نہیں تھا، قحط کی وجہ سے اضطرار اور شبہ پیدا ہونے کے اندیشے کے پیش نظر حد کی تفویض کو مؤخر کیا تھا۔ یاد رہے کہ شبہات کی بنیاد پر حد مؤخر یا ساقط ہو سکتی ہے۔[3]

---

1 ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، **مناھج المفسرین** (پشاور: دار صندلیہ، 2001ء)، ص:10-210۔

2 اسماعیل بن عمر بن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم** (بیروت، دالفکر، 1989ء) ج:2، ص:231-247۔

3 ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الطریق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعی (بیروت، دار الکتاب العلمیہ، س۔ن)، ص؛6-9۔

تابعین کرامؒ نے اس ورثے کو سنبھالا اور انہوں نے وہ تفاسیر لکھیں جو آیات کے فقہی پہلوؤں پر مرکوز تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ترجمان قرآن کہا جاتا ہے،[4] اور ان کے شاگردوں نے فقہی تفسیر کی بنیاد ڈالی۔ اس دور میں تفسیر کا ایک خاص اسلوب یہ تھا کہ وہ کسی آیت کے نزول کے اسباب، پھر اس کے لغوی معانی اور پھر اس کے قانونی تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ طریقہ کار بعد میں فقہی مذاہب کے اصولوں کی صورت میں نکھرا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس دور میں فقہی ارتقا کا مدار صرف روایت پر نہیں تھا بلکہ درایت یعنی اپنی عقل سے استنباط بھی شامل تھا۔ جب تابعین کسی آیت کی تفسیر کرتے تو وہ فقہی قاعدے بھی وضع کرتے تھے جیسے کہ (المشقة تجلب التيسير)۔[5] یہ قاعدے دراصل قرآن مجید کی ان آیات سے اخذ کیے گئے تھے جہاں اللہ تعالیٰ نے آسانی کا وعدہ فرمایا ہے۔[6] اس طرح تفسیری ادب نے فقہ کو یہ سکھایا کہ شریعت کا ہر حکم مصلحت اور عدل پر مبنی ہے، اور جہاں ظاہری حکم سے مصلحت حاصل نہ ہو وہاں اجتہاد کی گنجائش باقی ہے۔

3۔ تدوینِ تفسیر کا آغاز اور فقہی مذاہب کی تشکیل

دوسری صدی ہجری تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کا معاشرتی نظام بہت پیچیدہ ہو چکا تھا اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں جہاں مختلف النوع مسائل جنم لے رہے تھے۔ اسی دور میں فقہی مذاہب کی تشکیل کا عمل تیز ہوا اور تفسیری ادب نے ایک نئی شکل اختیار کی۔ امام ابو حنیفہؒ کا فقہی مکتب فکر خاص طور پر ان آیات کی تفسیر پر مبنی تھا جن میں عقود، معاملات اور عبادات کے عمومی اصول بیان ہوئے ہیں۔[7] ان کے نزدیک قرآن مجید کی وہ آیات جو قطعی الدلالہ ہوں ان کی تفسیر میں کوئی گنجائش نہیں لیکن جہاں آیات میں تاویل کی گنجائش ہو وہاں رائے اور قیاس کو درجہ دیا جانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی فقہ میں تفسیری ادب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

امام مالکؒ نے اہل مدینہ کے عمل کو تفسیر کا ایک اہم ماخذ قرار دیا۔[8] ان کا استدلال تھا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا وہ عمل جو نسل در نسل چلا آ رہا ہے، یہ قرآن مجید کی تفسیر کی سب سے بہترین شکل ہے۔ اس لیے مالکی فقہ میں تفسیری ادب صرف لکھی ہوئی کتابوں تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ زندہ سنت اور عرف کو بھی تفسیر کا درجہ دیتا ہے۔ ان کے نزدیک مصالح مرسلہ جیسے اصول بھی اسی تفسیری فہم سے جنم لیتے ہیں کہ قرآن مجید کے مقاصد کو سمجھ کر ان مقاصد کے حصول کے لیے نئے ذرائع کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ نقطہ ہے جہاں تفسیر نے فقہ کو ایک ایسا متحرک نظام دیا جو صدیوں تک تبدیلی کے تقاضوں کو پورا کرتا رہا۔

امام شافعیؒ نے اس عمل کو مزید منظم کیا اور انہوں نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں یہ واضح کیا کہ قرآن مجید کی تفسیر کے بغیر کوئی بھی فقہی حکم درست نہیں ہو سکتا۔[9] انہوں نے تفسیر کے درجات مقرر کیے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید سے کی جائے، پھر سنت سے، پھر صحابہ کرامؓ کے اقوال سے، اور آخر میں قیاس سے۔ یہ اصول آج بھی کسی بھی فقہی تحقیقی کام کی بنیاد ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو تینوں بڑے فقہی مذاہب نے تفسیری ادب کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسے فروغ بھی دیا۔ اس دور میں تفسیر کی کئی ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں امام طبریؒ کی "

---

4 محمد بن عیسیٰ، **جامع ترمذی**، **جامع الترمذي**، باب مناقب أبي الفضل عم النبي صلى الله عليه وسلم ، (کراچی: مکتبہ البشریٰ، 2010ء)، ح: 3758۔

5 ڈاکٹر وھبہ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ** (بیروت: دار الفکر، 2001ء)، ج: 1، ص: 98

6 البقرہ 185:2؛ الحجر 75:99۔

7 ڈاکٹر محمود احمد غازی، **محاضرات فقہ اسلامی** (لاہور: الفیصل ناشران، 2010ء)، ص: 77-83۔

8 محمد ابو زہرہ مصری، **امام مالکؒ** (کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2016ء)، ص: 176 ۔

9 شافعی، محمد بن ادریس، **کتاب الرسالہ** (بیروت: دار الفکر، 1988ء) ص: 201-209۔

جامع البیان عن تاویل القرآن" جیسی عظیم کتاب شامل ہے جس نے فقہی مسائل کے لیے آیات کی تاریخی اور لغوی تفسیر پیش کی اور بعد کے تمام فقہاکے لیے ایک قیمتی خزانہ بن گئی۔[10]

4۔ تفسیری اسالیب میں تنوع اور فقہی ارتقا پر اثرات

جیسے جیسے مسلم دنیا وسیع ہوتی گئی، تفسیری ادب میں بھی مختلف اسالیب نے جنم لیا۔ بعض مفسرین نے تفسیر بالروایت پر زور دیا، بعض نے تفسیر بالدرایت کو ترجیح دی، اور بعض نے اہل لغت کے طریقے کو اپنایا۔ اس تنوع نے فقہی ارتقا پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مفسرین نے صرف روایات پر انحصار نہیں کیا۔ جب دور ابن جریر طبریؒ اور ابن کثیرؒ آیا تو انہوں نے ایک متوازن اسلوب اپنایا جہاں روایت کے ساتھ ساتھ درایت کو بھی اہمیت دی گئی۔[11] اس کے نتیجے میں فقہی مسائل حل کرنے کے لیے ایک ایسا دروازہ کھلا جہاں ماضی اور حال کے درمیان پل بنایا جا سکتا تھا۔

دوسری جانب تفسیر بالرائے کے اسلوب نے بعض فقہا کو یہ موقع دیا کہ وہ نئے مسائل میں قرآن مجید سے براہ راست استنباط کر سکیں۔ امام فخر الدین رازیؒ کی "تفسیر مفاتیح الغیب" اس کی بہترین مثال ہے جہاں انہوں نے عقلی اور فلسفیانہ مباحث کو بھی تفسیر کا حصہ بنایا۔[12] اس طرز تفسیر نے فقہا کو یہ سکھایا کہ وہ صرف احکام کی حدود میں نہ رہیں بلکہ ان احکام کے اسرار اور علل کو سمجھ کر نئے مسائل کا حل تلاش کریں۔ آج کے دور میں جب جدید طب، معاشیات اور معاشرتی مسائل نے جنم لیا ہے تو یہی تفسیری اسلوب کام آتا ہے کہ ہم کسی مسئلے کا حکم سمجھنے کے لیے اس کی علت کو قرآن و سنت سے تلاش کریں۔

تفسیر کے صوفیانہ اسلوب نے بھی فقہی ارتقا میں ایک اور خوب صورت رنگ بھرا۔ جہاں ظاہری فقہ اعمال کے احکام بتاتی ہے وہاں تصوف کی تفسیر نے باطنی تقویٰ اور اخلاص کی اہمیت بیان کی۔ اس کا فقہ پر یہ اثر ہوا کہ فقہی احکام کو صرف قانونی پابندی سمجھنے کے بجائے روحانی تربیت کا حصہ بنایا گیا۔ امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں اسی نکتے کو بڑی خوبی سے پیش کیا کہ تفسیر اور فقہ کا مقصد صرف حلال و حرام کی تمیز نہیں بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب دلانا ہے۔[13] اس طرح فقہی ارتقا میں تفسیری اسالیب کا تنوع ہمیشہ سے ایک مثبت اور تخلیقی قوت کے طور پر کام کرتا رہا ہے، اور مستقبل میں بھی یہی تنوع فقہ کو زندہ اور متعلقہ رکھے گا۔

5۔ عصری چیلنجز اور تفسیری ادب کی نئی جہات

آج کی دنیا میں جب مسلمان جدید ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت، جینیاتی انجینئرنگ اور عالمی معاشی بحرانوں جیسے پیچیدہ مسائل کا سامنا کر رہے ہیں تو تفسیری ادب کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ماضی کے فقہا نے جن اصولوں کی بنیاد رکھی تھی، ان اصولوں کو موجودہ دور میں نئے سرے سے سمجھنے کے لیے تفسیر کی نئی جہات کی تلاش ضروری ہے۔ بعض جدید مفسرین نے یہ کوشش کی ہے کہ وہ سائنسی دریافتوں کو قرآن مجید کی آیات کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کریں کہ فقہی احکام جدید حقائق سے ٹکرائیں نہیں بلکہ ان کو اپنے اندر سمو لیں۔ مثال کے طور پر اعضاء کی پیوندکاری کے مسئلے پر جب فقہا نے غور کیا تو انہیں تفسیری ادب سے یہ راہ نمائی ملی کہ قرآن مجید نے انسان کے اعضاء کو امانت قرار دیا ہے،[14] اور امانت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دوسرے کی جان بچانے کی ترغیب بھی دی ہے۔[15] عصر حاضر میں تفسیری ادب کو ایک نیا چیلنج یہ بھی درپیش ہے

---

10 طبری، محمد بن جریر، **جامع القرآن عن تاویل القرآن** (مصر: دارالمعارف، 1991ء)، ج:1، ص:23-56۔

11 ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، **مناهج المفسرین**، ص:198-202۔

12 رازی، محمد فخر الدین بن عمر، **التفسیر الکبیر، مفاتیح الغیب** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1990ء)، ج:1، ص:23-103۔

13 ابو حامد، محمد الغزالی، **الاحیاء علوم الدین** (لاہور، بیت العلوم، س-ن)، ص:249-281۔

14 الاسراء 17:36؛ النور 24:23-24؛ یس 36:65۔

15 المائدہ 5:32۔

کہ فقہی ارتقا کو جمود سے نکالنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر مقاصد شریعت کا تصور اگرچہ فقہ میں موجود تھا لیکن اسے تفسیر کی زبان میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ جب مفسرین سورہ یوسف یا سورہ قصص جیسی سورتوں کی تفسیر کرتے ہیں تو ان میں سے معاشرتی عدل، مساوات اور انسان کی بنیادی ضروریات جیسے اصول نکلتے ہیں۔ یہ اصول آج کے فقہی مسائل جیسے کہ غربت، مہنگائی اور تعلیم کے حق جیسی چیزوں کے لیے راہ نمائی فراہم کرسکتے ہیں۔ دور جدید میں تفسیری ادب میں خواتین، اقلیتوں اور ماحولیات جیسے موضوعات پر بھی کام ہو رہا ہے۔

6۔ تفسیری ادب میں فقہی ترجیحات اور اختلافات کی وجوہات

جب مختلف مفسرین کی تفاسیر کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایک ہی آیت کی تفسیر میں نمایاں اختلافات نظر آتے ہیں اور انہی اختلافات نے فقہی ارتقا کو ایک نیا رخ دیا ہے۔ یہ اختلافات دراصل فقہ کے لیے رحمت ثابت ہوئے کیونکہ انہوں نے مختلف حالات اور ضروریات کے مطابق فقہی احکام میں لچک پیدا کی۔ سورہ نساء کی آیت (الرجال قوامون علی النساء)[16] کی تفسیر میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے قوام کو سرپرست اور حاکم کے معنی میں لیا جبکہ بعض نے اسے ذمہ دار اور خدمت گزار کے معنی میں لیا۔ اس تفسیری فرق نے فقہی ارتقا میں عائلی قوانین کو مختلف سمتوں میں موڑ دیا۔ یہ اختلافات دراصل تفسیر کے ان اصولوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ہر مفسر نے اپنائے، جیسے کہ کسی آیت کو سیاق وسباق میں دیکھنا یا اسے دوسری آیات کے ساتھ ملانا، یا پھر احادیث سے اس کی تفسیر کرنا۔ فقہی ترجیحات میں اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض مفسرین نے تفسیر میں صرف روایت پر انحصار کیا تو بعض نے رائے اور قیاس کو بھی داخل کیا۔ اہل حدیث مفسرین عام طور پر صرف وہی تفسیر پیش کرتے ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہو، جبکہ اہل رائے مفسرین عقل اور اجتہاد کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں فقہی ارتقا دو دھاروں میں بٹ گیا ایک نقل پرست اور دوسرا اجتہادی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں دھاروں نے اپنی جگہ اپنی اہمیت رکھی ہے اور دونوں نے امت کی خدمت کی ہے۔ آج جب فقہی ارتقا کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ اختلافات نہ صرف جائز تھے بلکہ ضروری بھی تھے تاکہ فقہ ہر علاقے اور ہر دور کے حالات کے مطابق ڈھل سکے۔ تفسیری ادب نے ان اختلافات کو سمیٹ کر ایک وسیع اور جامع فقہی ورثہ فراہم کیا ہے جس سے آج بھی استفادہ کیا جا رہا ہے۔

7۔ تفسیری ادب میں پوشیدہ فقہی قواعد کی دریافت

تفسیری ادب کا ایک بہت بڑا حسن یہ ہے کہ اس میں بظاہر عام بیانات کے اندر گہرے فقہی قواعد چھپے ہوتے ہیں اور ان قواعد کو دریافت کرنا ایک فقیہ کا اصل کام ہے۔ جب ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسائل کو تفصیل سے بیان کرنے کے بجائے اکثر کلیات میں بات کی ہے، مثلاً (اوفوا بالعقود)[17]، یا (احل اللہ البیع و حرم الربا)[18]، یا (ولا تزر وازرۃ وزر اخری)[19]۔ یہ کلیات دراصل وہ فقہی اصول ہیں جو کسی بھی دور میں ہر نئے معاملے پر لاگو کیے جاسکتے ہیں۔ تفسیری ادب کا کام یہ تھا کہ وہ ان کلیات کے پس منظر میں موجود تاریخی، لسانی اور عملی جہات کو واضح کرے تاکہ فقیہ آسانی سے ان سے قواعد اخذ کر سکے۔

---

16 النساء34:4۔

17 المائدہ1:5۔

18 البقرۃ275:2۔

19 فاطر18:35۔

امام شاطبیؒ نے "الموافقات" میں یہ بتایا کہ تفسیر کے ذریعے ہی مقاصد شریعت کو سمجھا جا سکتا ہے۔[20] جب مفسرین نے سورہ انعام کی آیت (قل انی امرت ان اعبد الله مخلصاً له الدین)[21] کو سمجھنے کی کوشش کی تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ شریعت کا ہر حکم اخلاص اور توحید کے تابع ہے۔ اس کلیے نے فقہ کے ہر باب میں ایک معیار قائم کر دیا کہ جو بھی حکم انسان کو شرک یا ریاکاری کی طرف لے جائے وہ نا قابل قبول ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت (یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر)[22] نے فقہی قاعدہ (المشقة تجلب التیسیر)[23] کو جنم دیا، اور اب یہ قاعدہ فقہ کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ یہ قاعدے تفسیری ادب کی وہ کڑیاں ہیں جو فقہ کو مختلف ابواب میں منظم کرتی ہیں۔

تفسیری ادب میں وہ پوشیدہ فقہی قواعد بھی موجود ہیں جو معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ نئے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب جدید دور میں سود کی مختلف اقسام وجود میں آئیں تو فقہا نے تفسیری ادب کی طرف رجوع کیا اور وہاں سورۃ البقرہ کی تفسیر میں یہ قاعدہ پایا کہ الربا کا تعلق صرف بڑھوتی سے نہیں بلکہ کسی بھی طرح کی ناانصافی اور ظلم سے ہے۔[24] اس تفسیر نے فقہا کو یہ موقع دیا کہ وہ نہ صرف بینک سود کو حرام کہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی تمام تجارتی طریقوں کو پرکھ سکیں جو کمزور طبقے کا استحصال کرتے ہیں۔ یوں تفسیر نے فقہ کو ایک ایسی آنکھ دی جو صرف ظاہری صورت نہیں بلکہ باطنی حقیقت کو بھی دیکھ سکتی ہے اور یہی وہ قیمتی تحفہ ہے جو تفسیری ادب نے فقہی ارتقا کو دیا ہے۔

8۔ جدید تحقیقی مناہج اور تفسیری ادب کا کردار

اکیسویں صدی میں جب علمی تحقیق کے نئے مناہج نے جنم لیا ہے تو تفسیری ادب کو بھی ان سے استفادہ کرنا چاہیے تاکہ فقہی ارتقا تیز رفتاری سے ہو سکے۔ جدید تحقیق میں بین الموضوعی مطالعہ بہت مقبول ہے اور تفسیری ادب میں بھی اب یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مفسرین معاشیات، سماجیات، نفسیات اور سیاسیات کے اوزار استعمال کر رہے ہیں۔ اس کا فقہ پر یہ اثر ہوا ہے کہ اب فقہی مسائل کو صرف مذہبی زاویے سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ ان کے معاشرتی، معاشی اور نفسیاتی اثرات کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔[25] مثال کے طور پر طلاق کے مسئلے پر جدید تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ جہاں قرآن مجید نے طلاق کو بہت سخت شرائط کے ساتھ جائز رکھا ہے وہاں مفسرین نے اس کی روح کو سمجھ کر خاندانی نظام کو بچانے کی کوشش کی ہے۔

ہرمنیوٹکس یعنی تشریحی علم کا نیا طریقہ بھی تفسیری ادب پر اثر انداز ہوا ہے، لیکن یہاں احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہرمنیوٹکس کے ذریعے قرآن مجید کی وہ تاویلیں نہ کی جائیں جو نصوص کے قطعی مفہوم کے خلاف ہوں۔[26] جدید مسلم مفسرین نے اس بات کو سمجھا ہے اور انہوں نے ہرمنیوٹکس کی مدد سے یہ واضح کیا ہے کہ تفسیر کا ہر طریقہ کار اپنے پیش فرض رکھتا ہے، اور ہمیں اسلامی عقائد کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی نئے طریقے اپنانے چاہئیں۔ اس سے فقہی ارتقا کو ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب فقہا یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ماضی کے فقہی احکام بھی اپنے اپنے زمانے کے پیش آمدہ مسائل کے تحت تھے، اور آج کے دور میں بھی نئے مسائل کے پیش نظر نئے احکام مرتب کیے جا سکتے ہیں۔

---

20 شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، **الموافقات** (السعودیہ: دار ابن عفان، 2001ء)، ص: 1-6601۔

21 زمر 11:39۔

22 البقرہ 185:2۔

23 ڈاکٹر وھبہ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، ج: 1، ص: 98۔

24 غامدی، جاوید احمد، **البیان** (لاہور، المورد: 2020ء)، ج: 1، ص: 190-205۔

25 وزرات اوقاف واسلامی کویت، **موسوعہ فقھیہ** (انڈیا: جنیوین پبلیکیشنز اینڈ میڈیا، 2002ء)، ج: 18، ص: 350-383۔

26 Thomas M. Seebohm, **Hermeneutics : method and methodology**(Netherlands: Springer,2004),P:23-177

معلوماتی ٹیکنالوجی نے بھی تفسیری ادب کی تحقیق میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آج کل کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی مدد سے ایک ہی لفظ کی تمام تفاسیر میں موجودگی کو تلاش کیا جا سکتا ہے اور اس طرح فقہی استنباط بہت تیزی سے ہو سکتا ہے۔ ڈیٹا بیس اور آرٹیفیشل انٹیلیجنس کے ذریعے اب ہم وہ روابط دریافت کر سکتے ہیں جو پہلے صدیوں کی محنت طلب کرتے تھے۔ اس سے فقہی ارتقا کو ایک نئی رفتار ملی ہے اور اب نئے مسائل کے حل کے لیے فقہا کو طویل انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ تفسیری ادب کے ڈیجیٹل نسخوں نے اسے عوام الناس کے لیے بھی قابل رسائی بنا دیا ہے، اور اب ہر شخص قرآن مجید کی تفسیر پڑھ کر فقہی معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح جدید تحقیقی مناہج اور ٹیکنالوجی نے تفسیری ادب کے ذریعے فقہی ارتقا کو مؤثر اور تیز رفتار بنا دیا ہے۔

9۔ خلاصہ بحث

تفسیری ادب نے فقہی ارتقا میں نہ صرف ایک معاون کا کردار ادا کیا ہے بلکہ وہ تو اصل محرک قوت ہے جس نے فقہ کو ہر دور میں زندہ اور متحرک رکھا۔ ابتدائی دور میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے تفسیر کے ذریعے قرآن مجید کے احکام کو سمجھا اور پھر انہیں عملی زندگی میں نافذ کیا۔ اس کے بعد جب فقہی مذاہب کی تشکیل ہوئی تو ہر امام نے اپنے فقہی نظام کو تفسیر کے کسی خاص اسلوب پر استوار کیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے رائے اور قیاس کو ترجیح دی تو امام مالکؒ نے اہل مدینہ کے عمل کو، امام شافعیؒ نے نصوص کی ترتیب کو اور امام احمد بن حنبلؒ نے ظاہر روایت کو۔ یہ تمام وہ راستے تھے جو تفسیر کے مختلف دریچوں سے نکلتے تھے۔ تفسیری اسالیب کے تنوع نے فقہی اختلافات کو جنم دیا لیکن یہ اختلافات رحمت ثابت ہوئے کیونکہ انہوں نے فقہ کو لچک اور وسعت عطا کی۔ جہاں ایک مکتب فکر کسی مسئلے میں سختی کا قائل تھا وہیں دوسرا مکتب نرمی کا، اور اس طرح عام مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا ہو گئی۔ جدید دور میں جب پیچیدہ مسائل نے جنم لیا تو تفسیری ادب نے فقہا کو وہ اصول فراہم کیے جن کی روشنی میں وہ ان مسائل کا حل تلاش کر سکے۔ مثال کے طور پر اعضاء کی پیوند کاری، مصنوعی حمل، سود کی نئی اقسام اور خواتین کے حقوق جیسے مسائل پر فقہی احکام دینے کے لیے تفسیر کی طرف رجوع کیا گیا اور مفسرین نے آیات کے سیاق و سباق اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے راہ نمائی فراہم کی۔

تفسیری ادب کے بغیر فقہی ارتقا کا تصور نامکمل ہے۔ جس طرح ایک درخت کو پھلنے پھولنے کے لیے پانی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح فقہ کو ارتقا کے لیے تفسیر کی ضرورت ہے۔ ماضی میں جہاں تفسیر کو فروغ ملا وہاں فقہ نے ترقی کی اور جہاں اسے نظر انداز کیا گیا وہاں جمود پیدا ہوا۔ مستقبل میں بھی مسلم معاشروں کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے ضروری ہے کہ نئے مفسرین ابھریں جو عصری علوم سے آراستہ ہوں اور وہ قرآن مجید کی تفسیر اس طرح کریں کہ فقہ کی نئی عمارت تعمیر ہو سکے۔ یہ کام انتہائی ذمہ داری اور دیانت داری کا متقاضی ہے کیونکہ تفسیر میں کسی قسم کی لاپروائی فقہ کو غلط سمت میں لے جا سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ کام صحیح طریقے سے کیا گیا تو فقہ ہمیشہ کی طرح انسانیت کی راہ نمائی کرتی رہے گی اور تفسیری ادب اس کا سب سے بڑا سرمایہ ثابت ہو گا۔